لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ......

مدیر کے قلم سے

عیدالاضحیٰ کے آتے ہی کئی یادیں، جذبے اور ولولے انگڑائیاں لے کر تازہ ہو جاتے ہیں، عشق و وفا کے سرمدی زمزموں کی صدائے بازگشت چہار سو سنائی دیتی ہے، فرزندانِ توحید کو اجتماعیت کا سبق یاد دلانے والا حج کے روح پرور اجتماع کا منظر سامنے آتا ہے، راہ وفا میں فانی دنیا قربان کرنے کا ایمان افروز موسم ہر سمت چھا جاتا ہے، ایثار قربانی کا احساس نشو و نما پاتا ہے اور عہد ناقہ و محمل اور نجد و حجاز کی تاریخ اُبھر اُبھر آتی ہے...... جب بطحا کی بے آب و گیاہ وادی میں ایک مقدس ہستی نے اپنی بیوی اور اپنے جگر گوشے کو اللہ کے حوالے کر کے رخت سفر باندھا اور اس کی فرشتہ صفت اہلیہ کو معلوم ہوا کہ یہی اللہ کا حکم ہے تو وہ سرِ اطاعت خم کرتی ہوئی کہنے لگیں: ''جس حاکم کے حکم کی تعمیل ہو رہی ہے، وہ ہمیں ضائع نہیں کرے گا'' ...... کہ:

جائز نہیں اندیشۂ جان عشق میں اے دل!
ہشیار کہ یہ مسلک تسلیم و رضا ہے

دشتِ بے اماں میں اس پیکرِ رضا کی تنہائی اور کسمپرسی کی حالت یقیناً وہ تھی جو کسی عربی شاعر نے اپنے اس بلیغ شعر میں بیان کی ہے:

كأن لم يكن بين الحجون الى الصفا
أنيس ولم يسمر بمكة سامر

(یوں لگتا ہے کہ حجون سے لے کر صفا پہاڑی تک نہ کوئی میرا غمگسار تھا اور نہ ہی مکہ کی راتوں میں میرے ساتھ کوئی دل بہلا دے کی باتیں کرنے والا تھا)

لختِ جگر کی پیاس کی بے تابی نے ماں پر اضطراب اور بے چینی کا کیسا عالم طاری کیا ہوگا......! وہ کوہ صفا اور مروہ کے درمیان دیوانہ وار دوڑتی رہیں...... بچے کی تشنگی کی سیمابی ماما کو تڑپانے اور اس کی تڑپ آسمانوں کو ہلانے لگی تو رحمت الٰہی خشک زمین سے فوارے کی شکل میں نمودار ہوئی، ایک منٹ میں چھ سو ساٹھ لیٹر نکلنے والا آب

زمزم اس وقت سے لے کر اب تک رواں دواں ہے اور اللہ جانے ایک لمحہ میں دنیا کے کتنے تشنہ لبوں کو سیراب کر رہا ہے......؟ صدیاں گزر گئیں، صفا اور مروہ کے درمیان دیوانہ وار سعی کی وہ ادا آج بھی جاری ہے، بلاشبہ ایمان کی قوت، ناقابل شکست اور اس کے برگ و بار کی یادگاریں لافانی ہوتی ہیں۔

معمارِ حرم حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کی پاکباز زندگی کے قدم قدم پر ایمان ویقین کی ان گنت نشانیاں فکر ووجدان کی تاریک راہوں کو روشن کرتی اور بھٹکے ہوئے آہو کو سوئے حرم کا پتہ دیتی ہیں...... حقیقت یہ ہے کہ انسان کو ایمان ویقین سے بڑھ کر کوئی قوت، کوئی طاقت اور کوئی تسخیر آج تک حاصل ہوئی، نہ ہو سکے گی، اللہ تعالیٰ کی ذات پر غیر متزلزل یقین ہی ڈوبتی کشتی کو ساحل عطا کرتا، منزل غم کی سختیوں کو پامال کرتا، ممولے کو شہباز سے ٹکرانے کا حوصلہ بخشتا اور آگ کے شعلوں کو ہوائے چمن کے جھونکوں میں بدل دینے کا اعجاز دکھاتا ہے...... یہ کوئی جذباتی لفظوں کی ہیرا پھیری یا انشا پردازی کا بے حقیقت غلغلہ ہر گز نہیں، بلکہ دلوں کو گرمانے اور روح کو وجد میں لانے والی یقین وثبات کی یہ داستانیں تاریخ کے چپے چپے پر بکھری پڑی ہیں...... حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ میں ڈالے گئے تو وہ گلزار میں ڈھل کر اندازِ گلستان پیدا کر گئی۔

یہ بات نہیں کہ دنیا میں مردِ مومن کو ظاہری شکست نہیں ہوتی، یہ بھی نہیں کہ اس کے راستے میں سنگ گراں رکاوٹ نہیں بنتے، یہ بھی نہیں کہ اس کی تمناؤں اور آرزوؤں کا خون نہیں ہوتا، آپ خود سوچیں کہ اگر ماتمِ شکست کی بجائے اس کے حصہ میں ہمیشہ فتوحات کا جشن آئے، آبلہ پائی کی بجائے اس کے قدم سدا پھولوں کی سیج پر گل فشانی کا لطف لے، خواہشات اور شیطانی ستم کے خار سے زندگی تار تار ہونے کی بجائے اس کی ہر امید بھر آتی رہے اور ناکامیوں کی بجائے اس کے جہادِ زندگانی کو صرف کامیابیوں ہی کی سوغات ملے تو ایسی صورت میں کون ہے جو ایمان کی راہ روی کا دعویٰ نہیں کرے گا! چونکہ مومن کے ایمان خالص اور منافق کے نفاق کو ظاہر کرنا ضروری ہے اس لیے ابتلاء اور آزمائش کی کسوٹی پر دعویٰ ایمان کے کھوٹے اور کھرے پن کو آزمانا اللہ کی سنت ہے سورۂ عنکبوت آیت نمبر ۲ میں ارشاد ہے...... "کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ محض یہ کہنے سے کہ ہم ایمان لے آئے چھوڑ دیئے جائیں گے اور وہ آزمائے نہیں جائیں گے؟ (ایسا نہیں، وہ ضرور آزمائے جائیں گے) ہم تو انہیں بھی آزما چکے جو ان سے پہلے گزرے" ...... لیکن جس شخص کا ایمان جس قدر مضبوط، جس قدر مستحکم اور جس قدر قوی ہوگا، اسی قدر اس کی آزمائش اور ابتلاء کا مرحلہ بھی سخت ہوگا، ارشاد نبوی ہے: "اشد الناس بلاء الانبیاء ثم الامثل فالا مثل" "لوگوں میں انبیاء کی آزمائش سب سے زیادہ شدید ہوتی ہے، پھر جو انبیاء کے جتنا قریب ہوتا ہے، اس کی آزمائش بھی اسی قدر سخت ہوگی" ...... اس لیے ایک مومن کی زندگی میں ظاہری ناکامیاں بھی آتی ہیں اور اپنی اجل موعود پر وہ فانی دنیا سے

روپوش بھی ضرور ہوتا ہے لیکن اس کے ایمان کی خوشبو دائمی اور اس کے ذکرِ خیر کا گلشن سدا مہکتا رہتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کو لے لیجئے، ان کی آزمائش کا ایک مشکل ترین مرحلہ اکلوتے فرزند کی قربانی کا تھا، خواب میں انہیں فرزند ذبح کرنے کا حکم ملا، اس کی تعمیل میں کسی حیل و حجت کے بغیر بیٹا اپنی جوانی اور اپنی امنگوں کی دنیا اور باپ اپنی سوسالہ دعاؤں کا نخلِ تمنا قربان کرنے صبح کے دھند لکے ہی میں شاداں شاداں روانہ ہو گئے۔

غریب و سادہ و رنگین ہے داستانِ حرم
نہایت اس کی حسین، ابتدا ہے اسمٰعیل

قرآن کریم کی سورۃ الصفت میں اس کی تفصیل یوں بیان کی گئی ہے:

''وہ لڑکا جب آپ کے ساتھ دوڑ دھوپ کرنے کی عمر تک پہنچ گیا تو ابراہیم نے کہا، میں نے خواب میں دیکھا کہ میں تم کو ذبح کر رہا ہوں سو تم بھی سوچ لو، تمہاری کیا رائے ہے؟ وہ بولے، ابا جان جو حکم آپ کو دیا گیا ہے، اسے کر ڈالیے، آپ ان شاء اللہ مجھے صبر کرنے والوں میں پائیں گے، پھر جب دونوں نے اللہ کا حکم تسلیم کر لیا اور باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹا دیا تو ہم نے ندا دی کہ تم نے خواب سچ کر دکھایا، ہم مخلصین کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں، حقیقت میں یہ تھا بھی بڑا امتحان، ہم نے ایک عظیم ذبیحہ فدیئے میں دے کر اس بچے کو چھڑا لیا اور آنے والی نسلوں میں ان کا ذکرِ خیر چھوڑا، سلام ہو ابراہیم پر، ہم نیکی کرنے والوں کو ایسی ہی جزا دیتے ہیں، بلاشبہ وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھے۔'' (سورۃ الصافات، آیت ۱۰۲:۱۱۱)

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر میں لکھا ہے کہ شیطان نے تین مرتبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس موقع پر بہکانے کی کوشش کی لیکن آپ نے ہر بار سات کنکریاں مار کر اسے بھگا دیا، وفا اور سر تسلیم خم کرنے کی اس تاریخ ساز کامیابی کی یادگار کے طور پر وادی منیٰ میں حجاج کرام ہر سال اس کی یاد تازہ کرتے ہیں۔

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی جگہ جنت سے اتارا گیا ایک مینڈھا ذبح کیا گیا، عیدالاضحیٰ میں قربانی کی یہ سنت ابراہیمی بھی اسی وقت سے چلی آرہی ہے، صحابہ نے پوچھا، حضور! یہ قربانی کیا ہے؟ فرمایا: ''یہ تمہارے ابا حضرت ابراہیم کی سنت ہے''......اور فرمایا کہ استطاعت کے باوجود جو شخص قربانی نہ کرے تو وہ ہماری عیدگاہ کا رخ نہ کرے اور ان تین دنوں میں قربانی سے بڑھ کر کوئی دوسرا نیک عمل اللہ کو محبوب نہیں۔

مغرب سے متاثر ہونے والے بعض جدید ذہنوں میں قربانی سے متعلق یہ شبہ پایا جاتا ہے کہ جانور ذبح کرنے کی بجائے وہ رقم کسی غریب مسکین کو دی جائے تو اس کا بھلا ہوگا، غریب کے ساتھ ہمدردی کا یہ جذبہ اپنی جگہ لیکن ایک عبادت کو اس جذبے کی بھینٹ چڑھانے کا مطلب اپنی سوچ، اپنی رائے اور اپنی فکر کی غلامی کے سوا کچھ

نہیں، رب کی بندگی کا تقاضا یہ ہے کہ جو حکم دیا گیا اس کی تعمیل کی جائے، یہاں آکر بعض کورنگاہ نام نہاد دانشور راہ راست سے بھٹک جاتے ہیں، وہ شریعت کے ہر حکم کو خرد کے پیمانے سے ناپتے اور عقل کی کسوٹی سے پرکھتے ہیں......

ان کی نظر اس واضح حقیقت کی طرف نہیں جاتی کہ حکم الٰہی کی تعمیل صرف اور صرف اس لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ کا حکم ہے، خواہ عقل اس کی حکمتوں کا احاطہ کر سکے یا قاصر رہے...... آتشِ نمرود غرور میں کودنے کا کرشمہ عشق کا ہے، عقل تو محوِ تماشائے لبِ بام رہی، یہی وہ مقام ہے جہاں عقل کے ترانوں کا نہیں، عشق کی نواؤں کا رنگ جمتا ہے اور خرد کی گتھیاں سلجھانے والوں کی منطق نہیں، اہل جنوں کی راہ ورسم تب وتابِ جاودانہ پاتی ہے کہ:

صدق خلیل بھی ہے عشق، صبر حسین بھی ہے عشق

معرکۂ وجود میں، بدر وحنین بھی ہے عشق

ہمارا آج کا دور بھی اہل ایمان کے لیے آزمائشوں اور فتنوں کا دور ہے، آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم چودہ سو سال پہلے اس دور کے فتنوں کی پیشن گوئی فرما چکے ہیں، امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے کتاب الفتن میں ایک روایت نقل کی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا مسلمانوں پر ایک زمانہ ایسا بھی آئے گا کہ کافر قومیں ان کے خلاف لڑنے کے لیے ایک دوسرے کو اس طرح دعوت دیں گی جس طرح کھانے کے لیے ایک دوسرے کو بلایا جاتا ہے، کسی نے پوچھا کہ کیا اس وقت ہم کم ہوں گے؟ فرمایا نہیں، تم بہت ہوگے لیکن سیلاب کے جھاگ کی مانند بے کار ہوگے، اللہ تمہارا خوف غیروں کے دل سے ہٹالے گا اور تمہارے دل میں ان کا رعب بٹھا دے گا، دنیا کی محبت اور موت سے نفرت تم میں آجائے گی۔

آپ اپنے گردوپیش کا جائزہ لیں اور دیکھیں کہ کس طرح اس حدیث کا لفظ لفظ آج کے حالات پر صادق آرہا ہے، مسلمانوں کے خلاف طاغوتی قوتیں متحد ہونے کے لیے ایک دوسرے کو دعوت دے رہی ہیں، دنیا کی مسلم اکثریت پر نظر ڈالیں تو وہ راکھ کا ڈھیر معلوم ہوگی اور عالم اسلام کے اکثر ملکوں کو دیکھیں تو مغرب سے مرعوبیت کی وبا ان کی رگ رگ میں سرایت کر چکی ہے لیکن یہ بات اپنی جگہ ایک طے شدہ حقیقت ہے کہ اسلام ان تمام فتنوں، طوفانوں اور سمت مخالف سے چلنے والی آندھیوں کے باوجود قیامت تک باقی رہنے والا دین برحق ہے، طاغوت کے گماشتے دنیا سے اس کے زمزمہ بار کلمۂ حق کو کبھی بھی فنا نہیں کر سکتے، آزمائش ہے تو صرف مسلمانوں کی ہے اور فتنے ہیں تو صرف اہل اسلام کو آزمانے کے لئے ہیں کہ وہ اپنی جان اور مال سمیت اسلام پر قائم رہتے ہیں کہ نہیں اور یہ کہ کس قدر وہ توحید کے اس نعرہ مستانہ "لبیك اللهم لبیك ...... " کا پاس کرتے ہیں۔

☆☆......☆☆